المسجد الاقصیٰ

اور اس کے ماحول کی قدیم تاریخ

(۲)

جناب عبدالباری ایم اے

مسجد اقصیٰ

رحمۃ للعالمین جلد دوم (ص۱۰۸ تا ص۱۰۹) میں صحیح مسلم کی حدیث عن انسؓ بیان ہوئی ہے "میں سواری پر سوار ہوا اور بیت المقدس پہونچا۔ سواری کو اسی حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ مسجد میں جاکر میں نے دو رکعت نماز ادا کی اور وہاں سے آسمان کی طرف عروج ہوا" — اس حدیث کی رو سے اس وقت وہاں 'مسجد' موجود تھی۔ نماز کی ادائیگی کے بعد 'وہاں' سے عروج ہوا۔

قارئین مبلغ ٹامسن کا بیان سفر پڑھ چکے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شمالی مغربی گوشہ سے وہ روانہ ہوا اور جنوب کی طرف چلا پہلے کچھ دور چلنے کے بعد مسجد عمر کا مقام آیا تو مُرکو جوتے پہنے۔ اور پہنے ہوئے آگے بڑھا یہاں تک کہ مسجد اقصیٰ سے بھی گذر گیا۔ سطح کے متعلق اُس نے بیان کیا کہ ہموار نہیں ہے بلکہ مسجد عمر سے مسجد اقصیٰ کی طرف ڈھلوان ہے — اس سے بھی معلوم ہوا کہ مسجد عمر ایک جگہ تھی اور مسجد اقصیٰ کا مقام ذرا ہٹ کر ہے۔

فرانسیسی مؤرخ سینوبس (Seignobos) (تاریخ اقوام و ملل قدیمہ) نے 'معبد یروشلم' ہی کو 'مسجد اقصیٰ' قرار دیا ہے۔

'رابطہ العالم الاسلامی' جون ۱۹۸۱ء کے شمارہ میں 'مسجد اقصیٰ' کے بارے میں اس طرح درج ہے کہ "یہ جنوب کی سمت واقع ہے اور تاریخ میں مذکور ہے کہ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان

نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا حکم دیا تھا۔ اور اس کے بعد کے خلفاء بھی اس پر توجہ دیتے رہے۔ اور مسجد اقصیٰ کے زلزلے سے متاثر ہونے کے بعد جب ۷۵۱ء میں عباسی خلیفہ سے دیکھنے گیا تو اس نے اس کی تعمیر کا حکم دیا۔ اور فاطمی خلیفہ العزیز باللہ کا معاصر مؤرخ مقدسی کہتا ہے کہ یہ مسجد مدینۃ القدس (یعنی یروشلم) کے جنوب مشرقی رکن میں واقع ہے۔ ناصری خسرو مسجد کا ذکر کرتے ہوئے وضاحت کرتا ہے کہ اس میں ۲۸۰ کھمبے اور ۱۴ سائبان ہیں اور مسجد کا طول شمال سے جنوب تک ۱۲۰ گز (۳۶۰ فیٹ) ہے اور اس کا عرض شمال فصیل کی طرف ۱۵۰ گز (یعنی ۴۵۰ فیٹ) ہے۔ اور یہ مسجد کی خوش نصیبی ہے کہ یہ ہر دور میں مسلمانوں کے احترام و زیارت و نماز کا مرکز رہی ہے"

تحویل قبلہ کے بعد سے جو مسجد بھی یروشلم میں بنائی گئی اس کا رخ یعنی قبلہ کعبۂ مکہ کی طرف رکھا گیا۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لاہور جلد نمبر ۱۵ میں صفحہ ۶۹ پر مسجد اقصیٰ (۱۸۷۰ء میں) کی ایک عمدہ تصویر شکل نمبر ۹ دی ہوئی ہے جس میں داخلہ کا صدر دروازہ شمال کی جانب ہے اور گنبد (امام کی جگہ) جنوب کی طرف نظر آرہا ہے۔ ایک علیحدہ سے دوسری تصویر اسی مسجد اقصیٰ کو رُو کار (Frout Elevation) ہے جس سے صدر داخلہ کی تفصیلات اس کی چھت کی ڈھلوانی شکل اور آخری جنوبی حصہ کا گنبد بھی پشت میں نظر آتا ہے۔ پھر جلد نمبر ۱۶ کے صفحہ ۶۹ پر اس مسجد اقصیٰ کی تعمیر کے متعلق درج ہے کہ "تقریباً ۱۶۱ھ میں بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ کو خلیفہ المہدی نے جزوی طور پر دوبارہ تعمیر کیا اس وقت اس عمارت میں ایک وسطی دالان (ذرا اونچی چھت کے ساتھ) ۱۱½ میٹر عریض تھا۔ اور اس کے ساتھ ۷ قطاریں (دالان کی) دائیں طرف اور ۷ بائیں جانب موجود تھیں۔ جن میں ہر ایک کا عرض ۶¼ میٹر تھا۔ یہ سب کوہانی چھتوں سے مسقف تھیں (یعنی اونٹ کے کوہان کی شکل کی) اور تمام دیواریں قبلہ سے عموداً واقع تھیں۔ مرکزی دالان کے آخری سرے پر ایک بڑا چوبی گنبد تھا۔ شمال ضلع میں ایک بڑا وسطی دروازہ تھا۔ دائیں اور بائیں سات سات چھوٹے دروازے

اور مشرقی ضلع میں چھ غیر مزین دروازے بھی تھے" (لیکن تصویر میں تو مشرق کی طرف ۱۱ دروازے نظر آتے ہیں!)

فنی اعتبار سے قرطبہ کی جامع مسجد پر (جسے عبدالرحمٰن اول نے ۱۶۹ھ/۷۸۵ء میں تعمیر کی تھی) اس مسجد کا اثر غالب نظر آتا ہے۔ اس کا ابتدائی حصہ اب تک موجود و محفوظ ہے۔ بیت المقدس کی طرح اس میں ۱۱ دالان (۵ داہنی طرف ۵ بائیں طرف وسط میں صدر دالان) عقبی دیوار کے ساتھ عمودًا بنے ہیں۔ ان سب پر متوازی ڈھلوان چھتیں ہیں اور مرکزی چھت دوسروں سے زیادہ چوڑی (اور اونچی) ہے۔

یہی اسٹائل دمشق کی جامع کبیر میں بھی پائی جاتی ہے۔ صحن۔ ایوان قبلہ۔ محرابیں ستون وغیرہ اور کوہانی چھتیں سب یکساں نظر آتی ہیں۔ البتہ جامع کبیر کی تعمیر بہتر معلوم ہوتی ہے۔

عابداللہ غازی صاحب اور ان کی اہلیہ نے امریکن نرسری اسکولوں کے لئے انگریزی میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ قدس (یعنی یروشلم) میں مسجد اقصیٰ پہلے داؤدؑ نے بنائی پھر ان کے بیٹے سلیمانؑ نے مکمل کی جسے رومیوں نے برباد کردی۔ آنحضرتؐ نے مسجد کے مقام پر نماز ادا کی تھی۔ یہ بھی لکھا ہے کہ براق جب آنحضرتؐ کو معراج سے واپس لایا تو تمام انبیاءؑ انتظار کر رہے تھے۔ اور آپؐ نے نماز پڑھائی!

رحمۃ للعالمین جلد اول میں ابن ابی حاتم کی ایک روایت عن یزید بن ابی مالک عن انس میں نماز بیت المقدس کے متعلق یہ صراحت ہے کہ "میرے پہونچ جانے کے بعد وہاں بہت سے لوگ جمع ہو گئے اذان دی گئی اور اقامت کہی گئی۔ صفیں درست ہوئیں۔ ہم انتظار میں تھا کہ نماز کون پڑھائے گا؟ جبرئیل نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگے کھڑا کردیا۔ بعد ازاں نماز جبرئیل نے پوچھا: آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ جبرئیل نے کہا یہ سب وہ انبیاءؑ ہیں جو منجانب اللہ مبعوث ہو چکے۔"

صخرہ (The Roch)

اس صخرہ کے متعلق مبلغ ٹامسن کا بیان پہلے گذر چکا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

لاہور، جلد نمبر ۱۶/۱) کے ص۲۳۹ پر مندرج بیان بھی ملاحظہ ہو "صخرہ ۵۶ فیٹ لمبا، ۴۲ فیٹ چوڑا اور تقریباً نصف دائرہ شکل ہے۔ اس کا منحنی ڈھلوانی پہلو مشرق کی جانب ہے اور سیدھا اونچا بلند تر پہلو مغرب کی سمت، علم طبقات الارض (یعنی (Geology)) کے اعتبار سے یہ چٹان یروشلم کی سطح مرتفع کی زیادہ سخت قسم کی سرمئی رنگ کی چٹانوں کا حصہ ہے۔ اور عملاً اپنی غیر تراشیدہ شکل ہی میں قرنہا قرن سے چھوڑ دیا گیا ہے"۔ (کاش ایسے ہی صفا و مَروہ کی پہاڑیاں بھی اپنی اصلی حالت میں رہ جاتیں!)

عابد الغازی صاحب کی انگریزی کتاب میں ایک تصویر بنا کر دکھایا گیا ہے کہ اسی چٹان سے رسول اللہ صلعم آسمان پر تشریف لے گئے! اسی لئے اس چٹان کی اہمیت تاریخ اسلام میں ہے!

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لاہور جلد نمبر ۱۶/۱) قبۃ الصخرۃ' کے عنوان کے تحت درج ہے کہ "ابن الاثیر کی روایت کے مطابق فرنگیوں نے صخرہ پر سنگِ مرمر چڑھا دیا، کیونکہ عہد قدیم کے عیسائی پادری صخرہ کے اجزا، برکت کی خاطر زائرین کے ہاتھوں ہم وزن سونے کے عوض بیچتے تھے۔ اور بادشاہوں کو خطرہ ہوا کہ اگر یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا تو صخرہ معدوم ہو جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے صخرہ پر سنگِ مَرمَر کی سلیں چڑھا دیں"۔

"عوام الناس میں صخرہ کے بارے میں جو روایات مروّج ہیں مثلاً یہ کہ صخرہ زمین و آسمان کے درمیان معلق ہے، یا صخرہ جنت کی چٹانوں میں سے کوئی چٹان ہے۔ اور یہیں کھڑے ہو کر قیامت کے دن اسرافیل صور پھونکیں گے، ان کی کوئی شرعی اور اسلامی حیثیت نہیں ہے۔ ابن تیمیہ، البقاعی، السیوطی، شہاب الدین احمد بن حجر، ابن القیم اور امام احمد العجمی المصری نے ان کو بے بنیاد قرار دیا ہے"۔ (بحوالہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لاہور جلد نمبر ۱۶/۱) ۔ عارف العارف: تاریخ قبۃ الصخرۃ المشرفۃ ص۲۳)

لیکن اسی جلد نمبر ۱۶/۱) میں ایک نقشہ' تعمیر اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ 'نیچے کے غار میں جانے کے لئے صخرہ سے مشرق میں 'باب المغارۃ' نامی ایک دروازہ ہے، ۱۱

سیڑھیاں اترنے کے لئے ہیں۔ غار کی بلندی اوسطاً ۶ فیٹ ہے۔ اس کا فرش سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے اس میں ۱۶۳ آدمی سما سکتے ہیں۔ غار کے اندر سنگِ مرمر کے دو ستونوں پر دو محرابیں بنی ہوئی ہیں۔ دائیں محراب کے سامنے مقام خضرؑ ہے اور شمال کونے میں ایک چبوترا ہے جسے مقام الخلیل کہا جاتا ہے۔ صخرہ کے جنوب مشرق میں ایک زینہ ہے وہاں سے ہم اُس ہلال تک پہونچ سکتے ہیں جو (صخرہ کے) قبّے کے کلس پر لگا ہوا ہے"۔ غالباً اسی اصل سے مندرجہ بالا بے بنیاد روایات مروج ہوگئی ہیں! قبّہ بن جانے کے بعد سے تو 'صخرہ' ایک کھلا چٹان عمارت کے اندر صحن میں آگیا ہے۔

'رابطہ العالمی الاسلامی' جون ۱۹۸۱ء کے شمارہ میں صفحہ ۱۵ پر بیان ہوا ہے کہ:

"مذکورہ 'صخرہ' شہر کے مرتفعات میں سے ایک چٹان ہے جو تقریباً غیر مسطح اور ناہموار ہے جس کی لمبائی ایک مخصوص جائزہ کے مطابق تقریباً ۵۶ قدم اور عرض تقریباً ۴۲ قدم ہے۔ اس کا مشرقی کنارہ نشیب کی سمت ہے۔ اور مغربی کنارہ راست جانب جھکا ہوا ہے۔ اور یہ چٹان تقریباً ایک میٹر سطح زمین سے بلند ہے اور اس کا رقبہ تقریباً ۱۰ مربع میٹر ہے۔ اور ایسا لگتا ہے کہ یہ چٹان آسمان و زمین کے درمیان معلق ہے!! اور اس کے نیچے ایک کشادہ جگہ ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ 'کہف' کا بقیہ حصہ ہے جسکی گہرائی نصف میٹر یا ایک میٹر سے زائد ہے۔ 'کہف' کی زمین اور چٹان کے درمیان لکڑی کا ایک ستون ہے! جب حضرت عمرؓ نے قدس (یروشلم) کو فتح کیا تو اس چٹان پر (جس پر چڑھ کر نبیؐ آسمان کی طرف تشریف لے گئے تھے) ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا اور اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دور میں وہ قبہ تعمیر کیا گیا جو آج 'قبۃ الصخرہ' کے نام سے معروف و مشہور ہے"۔ اس بیان میں صخرہ کے سائز میں 'قدم' سے نشاندہی کی گئی ہے اور مبلغ تامسن کے بیان میں 'فیٹ' سے؟ یہاں رقبہ بتلانے میں شائد بھول ہوئی ہے؟ بہت ہی کم معلوم ہوتا ہے؟

قبۃ الصخرہ کی ہیئت (Dome of the Roch—Its shape)

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لاہور جلد نمبر ۱۶ کے صفحات ۶۸۰ تا ۶۸۱ میں درج ہے کہ "بیت المقدس کا قبۃ الصخرہ جو آج مسلم فن تعمیر کی قدیم ترین یادگار ہے، خلیفہ عبدالملک نے تعمیر کیا اور یہ ۷۲ھ (۶۹۱ء) میں تکمیل کو پہونچا۔ اس حلقہ نما عمارت کی سیدھی سادی تفصیل یہ ہے: ایک چوبی گنبد، جس کا قطر (Diam.) ۲۰٫۴۴ میٹر ہے۔ ایک بڑے ڈھولے کے اوپر قائم کیا ہے۔ جس میں ۱۶ دریچے بنا دیئے گئے ہیں۔ یہ چار پیل پایوں اور ۱۲ ستونوں پر کھڑا ہے جو دائرے کی صورت میں بنائے گئے ہیں۔ اور ان کی ترتیب یہ ہے کہ ہر تین ستونوں کے بعد ایک پیل پایہ ہے۔ ستون اور پایوں کا یہ دائرہ ایک بڑے مثمن (Octagon) کے وسط میں ہے۔ مثمن کا ہر ضلع (Side) اوسطاً ۲۰٫۶۰ میٹر ہے۔ ضلعوں کی آٹھ دیواریں ساڑھے نو نو میٹر اونچی ہیں (منڈیر اس کے علاوہ ہے، جس سے ۲٫۶۰ میٹر کا اضافہ ہو جاتا ہے) ان سب دیواروں کے بالائی نصف حصے میں پانچ پانچ دریچے بنائے ہیں۔ ان چار اضلاع میں جو اصلی چار سمتوں کے بالمقابل ہیں، ایک ایک دروازہ ۲٫۶۰ میٹر عریض اور ۴٫۳۰ میٹر بلند بنایا گیا ہے۔ جس سے ان اضلاع میں دروازے کے اوپر کا وسطی دریچہ بہت چھوٹا رہ گیا ہے۔ چونکہ دائرے اور اس کے گرد مثمن کا درمیانی فاصلہ زیادہ تھا۔ اور اکہرے شہتیروں سے بآسانی نہیں پاٹا جا سکتا تھا۔ اس لئے ان دونوں کے درمیان ایک اور مثمن بنایا گیا جس کی محرابیں آٹھ پیل پایوں اور سولہ ستونوں پر کھڑی ہیں۔ اس ترتیب سے ہر دو ستونوں کے بعد ایک پیل پایہ بنا دیا گیا ہے تاکہ چھت کو ضروری سہارا مہیا ہو جائے۔ اس طریقے سے مرکز کے گرد دو دائرے بن گئے ہیں — جو ظاہر ہے کہ قبۃ الصخرہ کے گرد رسمی طواف کا کام دیتے ہیں۔ بیرونی مطاف کی چھت غالباً سلطان الناصر محمد نے ۷۱۸ھ/۱۳۱۸ء میں تعمیر کی اور اندرونی مطاف کی چھت کی تاریخ بظاہر اٹھارویں صدی کے اواخر میں متعین کی جا سکتی ہے۔ اصل پہلا گنبد (جو ۴۰۷ھ/۱۰۱۶-۱۰۱۷ء میں گر

گیا تھا) سیسے کی چادروں سے ڈھکا ہوا تھا جن کے اوپر صیقل شدہ پیتل کی ۲۱۰، ۱۰ تختیاں جڑ دی گئیں۔ قبۃ الصخرہ اپنے اجزاء کی موزونیت اور پُرمایہ تزئین کے باعث دنیا کی حسین ترین عمارتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔"

اسی انسائیکلوپیڈیا کی جلد نمبر ۱۶(۱) میں دوسرے مضمون نگار کا بیان بھی ملاحظہ ہو: "قبۃ الصخرہ کی پوری عمارت کچھ دوسری چھوٹی عمارتوں کے ساتھ وسط حرم میں ایک ناہموار چبوترے پر بنی ہوئی ہے۔ اس کا کل رقبہ (area) قبلہ سے شمال کی جانب ۲۲۹ ہاتھ (یعنی ۶۸۷ فیٹ) اور مشرق سے مغرب کی جانب ۲۲۳½ ہاتھ (یعنی ۶۷۰ فیٹ) ہے۔ فرش پر مرمر کی سلیں بچھی ہوئی ہیں جو ۱۸۷۴ء میں سلطان عبدالعزیز کے زمانہ میں لگائی گئی تھیں۔ اس کا بلند ترین نقطہ چبوترے سے صرف ۵ فیٹ اونچا ہے چبوترے کے اوپر تک پہونچنے کے لئے ۹ سیڑھیاں ہیں۔ (جن میں سے ۸ سیڑھیاں ایسی ہیں کہ جب وہ صحن مسجد کے چبوترے تک پہونچ جاتی ہیں تو وہاں محراب دار ستون بنے ہوئے ہیں)۔

"عمارت مثمن الاضلاع (Octagonal) شکل میں ہے جس کا ہر ضلع یا پہلو (Side) ۶۶ فیٹ لمبا ہے۔ اندرونی قطر (Diam) ۱۹۲ فیٹ ہے۔ اور قبے کے قاعدے (کرسی (Plinth)) کا قطر ۶۶ فیٹ۔ یہ قبہ ۹۹ فیٹ بلند اور لکڑی کا بنا ہوا ہے جس پر باہر کی طرف سیسہ چڑھایا گیا ہے اور اندر کی طرف گچ کا استر کیا گیا ہے جس میں خوبصورت سنہری کام اور آرائش کی گئی ہے۔ بیرونی ہشت پہلو دالان ۱۳ فیٹ چوڑا ہے اور اندرونی ۳۰ فیٹ۔ دروازے ۴، اہم کونوں کے سامنے ہیں۔ (۱) شمالی دروازے کو 'باب الجنۃ' کہتے ہیں، جنوبی کو 'باب القبلہ'، مشرقی کو 'باب النبی داؤد' (اسی کو 'باب السلسلہ' بھی کہتے ہیں) اور مغربی کو 'باب الغرب'۔

"عمارت کی زیریں منزل ۱۶ فیٹ بلند ہے اور اسی میں مذکورہ بالا دروازے ہیں۔ اس پر سادہ چنائی کی ۲۰ فٹ بلند بالائی منزل ہے۔ پھر سب کے بعد وہ حیرت انگیز بالائی قبہ ہے اور قبہ کے کلس پر ہلال لگا ہوا ہے۔

قبۃ الصخرہ کا معمار کون؟

"اکثر روایات کے مطابق صخرہ کے اوپر قبّے کی تعمیر کا شرف پانچویں اموی خلیفہ عبد الملک بن مردان (۶۶ھ/۶۸۸ء تا ۷۲ھ/۶۹۱ء) کو حاصل ہوا۔ اس قبّہ کی تعمیر کا محرک بیان کرتے ہوئے مورخین نے دو قسم کی رائیں بیان کی ہیں۔ (i) الیعقوبی لکھتا ہے: تعمیر قبہ کے محرک اس وقت کے سیاسی حالات تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے امویوں کے خلاف بغاوت کردی تھی اور حجاز کے استقلال کا اعلان کر رکھا تھا۔ لہٰذا عبدالملک کو یہ خوف لاحق ہوا کہ اہل شام و فلسطین جب حج کے لئے جائیں گے تو عبداللہ بن زبیرؓ ان سے اپنی بیعت لے لیں گے۔ چنانچہ اس نے مسجد صخرہ کی تعمیر کرائی اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بیت المقدس کا حج کریں اور صخرہ کا طواف کریں (ii) اس کے برعکس المقدسی کا بیان ہے (جس نے ۳۷۴ھ/۹۸۴ء میں بیت المقدس میں قیام کیا تھا) کہ عبدالملک نے جب کنیسۃ القیامۃ کا قبہ دیکھا جس کا عیسائی رعایا حج کرتی تھی تو اس کو خدشہ ہوا کہ اس کی شان و شوکت دیکھ کر مسلمان متاثر ہوں گے تو اس نے عزم مصمم کرلیا کہ وہ ایسی ہی یا اس سے پرشکوہ مسجد بنائے گا۔ چنانچہ اس نے مسجد صخرہ بنائی اور اس پر قبہ تعمیر کیا (احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ص۱۵۹)۔ عبدالملک نے آغاز تعمیر سے پہلے اپنے عاملوں کو خطوط لکھے جواب میں ردّعمل کا ایک پہلو یہ رہا کہ مسلمانوں میں غیض و غضب کی لہر دوڑ گئی کہ آپ ہمیں بیت اللہ کے حج سے روک رہے ہیں جو اللہ کا عائد کردہ فرض ہے؟ انھیں عبد الملک نے یہ حدیث سنائی کہ "تین مساجد کی طرف سفر کیا جاسکتا ہے یعنی مسجد حرام، میری مسجد (مسجد نبوی) اور مسجد اقصیٰ"۔ دوسرا پہلو یہ آیا کہ لوگوں کی طرف سے پرجوش پذیرائی ہوئی تو خلیفہ نے القدس کی تزئین و آرائش کا کام شروع کیا (تاریخ الخلفاء المسلمین ص۹۲) اور اس کے بعد اپنی رعایا کے سامنے اعلان کیا: "یہ صخرہ آئندہ کعبہ کی جگہ تمہارا قبلہ ہوگا" (الیعقوبی ۲: ۳۱۱)

"صخرہ پر قبّے کی تعمیر سے پیشتر عبد الملک نے تقریب ہی مشرقی نمونے کے طور پر ایک قبّہ بنوایا (جسے قبہ السلسلہ' کہا جاتا ہے) اور پھر اس کے مطابق قبہ الصخرہ تعمیر کیا (عارف العارف: تاریخ القبۃ المشرفۃ صـ۶۷)۔ صخرہ کے چاروں طرف آبنوس کی جالی دار دیوار بنائی گئی اور زربفت کے پردے لٹکائے گئے۔ اس زمانہ میں مشک و عنبر میں لبا ہوا بخور اتنا سلگایا جاتا کہ جو شخص بھی جا کر وہاں سے باہر نکلتا تو وہ اپنے کپڑوں کی خوشبو سے پہچان لیا جاتا تھا کہ وہاں سے آیا ہے۔

"ایک مدت سے یہ مسئلہ معرض بحث ہے کہ قبہ الصخرہ کا اصل بانی اور معمار کون ہے؟ عبد الملک بن مروان یا اس کا بیٹا ولید بن عبد الملک؟ تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ تعمیر کا آغاز و اتمام تو عبد الملک کے ہاتھوں ہی ہوا ہے البتہ ولید بحیثیت ولی عہد اس میں شریک رہا ہے، اور بعض نقش و نگار تو اسی کے عہد میں کئے گئے۔ فرگوسن (ferguson) نے تعمیر کے متعلق دوسری رائے دی ہے لیکن بہت سے مغربی محققین ہی نے اس کی رائے کو مغالطہ آمیز اور گمراہ کن کہدیا! صحیح بات وہ معلوم ہوتی ہے جو البلاذری نے لکھی ہے: ولید نے شاہِ روم کو اپنے ارادے سے مطلع کیا کہ میں قبۃ الصخرہ کو مزین کرنا چاہتا ہوں اور لکھا کہ وہ فُسَیفُسَاء (Mosaic chips) جتنا بھیج سکے بھیجے۔ شاہِ روم نے اس کا مطالبہ پورا کیا' (البلاذری: فتوح البلدان) الطبری نے نصف صدی بعد اس روایت کی تائید کی ہے۔ (عارف العارف: تاریخ القبۃ المشرفۃ صـ۱۲۶)

" یہ بات کہ قبۃ الصخرہ کی تعمیر عبد الملک نے کی تھی اس مشہور کتبہ سے ظاہر ہوتی ہے جو (جنوب مشرقی جانب درمیانی حصے میں بنے ہوئے ستون کی محراب پر) زرد اور نیلے کاشی کے ٹکڑوں (چینی کے رنگین چوکے) سے کوفی خط میں لکھا گیا ہے (الفاظ یہ ہیں:

بَنیٰ ھٰذِہٖ القبۃ عبد اللّٰہ: عبد الملک بن مروان امیر المومنین فی سنۃِ اثنتین وسبعین۔ تقبل اللّٰہ منہ ورضی عنہ۔ آمین)

(یعنی اس قبے کو اللہ کے بندے عبدالملک بن مروان امیر المومنین نے ۷۲ھ میں تعمیر کیا۔ اللہ اس کو قبول فرمائے اور اس سے راضی ہو۔ آمین)

تعمیر کے بعد کے منازل

جب عباسی خلیفہ المامون کے زمانہ میں قبے کی عمارت کو کچھ نقصان پہونچا تو اس نے ۲۱۶ھ/۸۳۱ء میں اس کی مرمت کرائی۔ کاریگروں نے مامون کی خوشامد میں عبدالملک کے بجائے مامون کا نام کندہ کر دیا۔ نام تو بدل گیا مگر غلطی کی کہ سالِ تعمیر بدلنا بھول گئے؛ (کہاں ۷۲ھ/۶۹۱ء کہاں ۲۱۶ھ/۸۳۱ء؟)

۱۰۱۶ء (فاطمی خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے عہد) میں زلزلہ آیا۔ اور قبہ نیچے چٹان پر گر گیا (ابن الاثیر: الکامل ۹: ۲۰۹)۔

اس کے چھ برس بعد الحاکم کے لڑکے الظاہر نے اسے از سر نو بنوایا۔ یہاں ایک ادھورا سا کتبہ موجود ہے جو فسیفساد کے مادے سے تحریر کیا گیا ہے جس کی تاریخ ۴۱۸ھ/۱۰۲۷ء عہد الظاہر لاعزاز دین اللہ کی ہے۔

۱۰۹۹ء میں صلیبی یروشلم میں داخل ہوئے تو انھوں نے مسجد صخرہ کو کلیسا میں تبدیل کر دیا اور صخرہ کے اوپر ایک قربان گاہ تعمیر کر دی۔ جسے وہ 'Templum Domini' (ہیکل السید) کہتے تھے۔ مسجد کے بیشتر نقوش بدل دیئے۔ مسجد کے ایک حصہ کو کلیسا بنا لیا اور دوسرے حصہ کو اپنے جنگجو دستے کی قیامگاہ میں تبدیل کر دیا۔ مغربی سمت میں انھوں نے ایک نئی عمارت قائم کی جو ان کا اسلحہ خانہ تھی (ابن الاثیر: الکامل فی التاریخ ۱۱: ۳۶۴) صلیبیوں نے قبے کے کلس پر سونے کی ایک صلیب کھڑی کر دی۔ ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس واگذار کر لیا۔ قبے کے کلس پر سے سونے کی صلیب گرا دی گئی اور ساری نجاستیں دور کر دی گئیں۔ صخرہ کے گرد کی دیوار مع قربان گاہ کے مٹا دی گئی۔ سنگ مرمر کی وہ پوشش بھی اتار دی گئی جو صخرہ کے اوپر بنا دی گئی تھی۔ فتح بیت المقدس کے بعد پہلا جمعہ مسلمانوں نے سلطان کی معیت میں مسجد صخرہ میں پڑھا (ابن الاثیر ۔ ۱۱: ۳۱۴)

"قبے کے اندر اب جو چیز نظر آتی ہے وہ سلطان صلاح الدین کے نصب کردہ کتبے ہیں جن میں اس نے صخرہ میں اپنی ترمیمات کے احوال تحریر کرائے ہیں۔ اس کے بعد بھی کئی مرتبہ مرمت ہوئی ہے۔"

بمبئی سے اسرائیلی حکومت کے سرکاری بلیٹن ((News from Issad))
یکم جولائی ۱۹۶۷ء کی اشاعت میں یہ بیان موجود ہے کہ دیوارِ گریہ ((wailing wall))
پہلے ملبہ اور کوڑے کرکٹ میں دبی ہوئی تھی۔ اور اس کا نشان تک لوگوں کو معلوم نہ تھا سولہویں صدی عیسوی میں سلطان سلیم عثمانی کو اتفاقاً اس کے وجود کا علم ہوا اور اس نے اس جگہ کو صاف کرا کے یہودیوں کو اس کی زیارت کی اجازت دیدی تھی۔

"سلطان سلیمان قانونی کے عہد (۱۵۲۰ء تا ۱۵۶۶ء) میں پوری عمارت کی تجدید کی گئی۔ اس کے عہد میں قبہ الصخرہ کی عمارت میں کاشی کا استعمال (چینی کے رنگین چوکے) سب سے پہلی مرتبہ ہوا۔ اس سے پہلے فسیفساء سے زیب و آرائش کی جاتی تھی۔ بعد کے عثمانی سلاطین بھی مسجد الصخرہ سے غیر معمولی دلچسپی لیتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان عبد المجید ثانی (۱۸۵۳ء) اور سلطان عبد العزیز بن محمود ثانی (۱۸۷۴ء) کے عہد کی ترمیمات عبد الملک بن مروان کی تعمیر کے بعد مسجد الصخرہ کی سب سے بڑی ترمیمات ہیں"۔
(انسائیکلو پیڈیا آف اسلام لاہور جلد ۱۶ ا ۱)

یہودیوں کی منصوبہ بندی کا آغاز ۱۸۸۰ء میں مہاجرت (Migration) کے سلسلے سے ہوا۔ اس کے بعد ۱۸۹۷ء میں مشہور یہودی لیڈر (Thedore Hertzel) (تھیوڈور ہرٹزل) نے صہیونی تحریک (Zionist Movement) کا باقاعدہ آغاز کیا — کہ فلسطین پر دوبارہ قبضہ کر کے ہیکل سلیمانی کی تعمیر کی جائے! یہودی فری میسن تحریک (Heemason Movement) بھی اسی کی تائید کے لئے ہے!

"۱۹۳۶ء میں فلسطین کی اعلیٰ اسلامی کونسل نے الحاج مفتی محمد امین الحسینی کی صدارت میں حرم قدسی کی دیکھ بھال کی ذمہ داری لی۔"

"نومبر ۱۹۴۷ء میں تقسیم فلسطین کے اعلان پر عربوں اور یہودیوں کے درمیان جو جنگ ہوئی اس میں حرم قدسی بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ یہودی مسجد کی چھت اور صحن میں گولے پھینکتے رہے۔" "جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر و نومبر ۱۹۴۸ء میں یہودیوں نے حملہ کر کے پورے حرم شریف کو بمباری سے نقصان پہونچایا اور قبے کو بھی شدید نقصان پہونچایا۔"

سلطان عبدالحمید ثانی نے تمام مساجد میں ایرانی قالین بچھوائے تھے اور صخرہ کے اوپر ایک خوشنما اور عظیم الشان قندیل معلق کیا تھا۔ اسے ۱۹۵۱ء میں مسجد اقصیٰ میں منتقل کر دیا گیا۔

۲۲ر فروری ۱۹۵۴ء میں مملکت اُردنیہ کی مجلس وزرا نے ایک وفد کی تشکیل کی جس کے ذمہ عالم اسلام سے چندہ کر کے مرمت و اصلاح تھی۔

جون ۱۹۶۷ء سے پورا حرم شریف یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔ اور مسلمان اس کی واگذاری کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں۔ لیکن اسرائیل کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا۔

بیت المقدس اس وقت اسرائیلی مملکت کا دارالحکومت ہے۔ اور شہر کو خوبصورت اور کشادہ بنانے کے بہانے عربوں کے محلے اور اسلامی آثار و مقامات مسمار کئے جا رہے ہیں۔ یہاں عبرانی یونیورسٹی ۱۹۲۵ء سے قائم ہے جس میں ۱۶۰۰۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں — اور Weizmanne Institute (ویزمین انسٹی ٹیوٹ) میں ۱۱۰۰ سائنسداں مصروف تحقیق و تفتیش ہیں۔

چونکہ قبے کے ساتھ انبیائے سابقین کی روایات وابستہ ہیں اور معراج کے موقع پر آنحضورؐ کا گذر بھی اسی جگہ سے ہوا تھا۔ اس لئے مسلمان قبۃ الصخرہ کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ کعبہ کے بعد مسجد نبویؐ اور اس کے بعد اسے تیسرا سب سے زیادہ مقدس مقام مانتے ہیں۔ اسے ثالث الحرمین کہتے ہیں۔ عیسائیوں کے نزدیک یہ وہی جگہ ہے جس پر حضرت مسیحؑ نے لعنت بھیجی تھی۔ یہودیوں کے ہاں یہ جگہ پہلے قابل احترام و تعظیم تھی اور انہوں نے ایک طویل عرصہ تک اپنے آپ کو اس

کی زیارت سے محروم رکھا۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ یہاں کسی مقام پر ان کی توراۃ مدفون ہے لیکن اب وہ ہیکل کی تلاش میں یہاں کھدائیوں میں مصروف ہیں۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لاہور، جلد ۱۶ (۱))

البلاغ کویت ۲۰ دسمبر ۱۹۸۱ء رقمطراز ہے کہ "اب یہودیوں کا آخری منصوبہ یہ ہے کہ (۱) 'مسجد اقصیٰ' اور 'قبۃ الصخرۃ' کو ڈھا کر ہیکل سلیمانی پھر سے تعمیر کیا جائے اور (۱۱) پورے علاقہ (نیل سے فرات تک بلکہ حجاز کا پورا بالائی علاقہ) پر قبضہ کیا جائے۔ اس اسکیم کی پشت پناہی تو امریکہ کر ہی رہا ہے۔ امریکہ کا New York Times اخبار اس وقت اہم رول ادا کر رہا ہے۔ ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۱ء کے شمارہ میں 'مسجد اقصیٰ' کی جگہ 'معبد الجبل' اور عربی قدس کو 'مشرقی قدس' کے نام سے پکار پکار کر یہ ثابت کرنے کی کوشش ہے کہ گویا یہ پہلے ہی سے یہودیوں کی نگرانی میں تھے۔ اور جب نیویارک میں مقیم عربوں اور مسلمانوں کے ایک وفد نے بذریعہ ٹیلیگرام 'نیویارک ٹائمز' کے مدیر امور خارجہ سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی کہ وہ دستاویز نقشے اور وثائق پیش کر کے اسرائیل کے غلط پروپیگنڈے کی لغویت ثابت کر دے تو ان کو قطعی نظر انداز کیا گیا۔ دراصل اسرائیل کی یہ کوشش ہے کہ وہ عربی اور اسلامی تمدن کے آثار و نقوش بدل کر رکھ دے خواہ ان کا تعلق دین سے ہو، تاریخ سے ہو یا تہذیب سے ہو۔"

مسجدِ عمرؓ

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لاہور جلد ۱۶ صـ ۲۳۲ پر درج ہے "قبۃ الصخرہ" جسے مسجد عمرؓ بھی کہا جاتا ہے، حرم قدسی کے وسیع رقبے کے ایک حصہ میں واقع ہے۔ اکثر روایات کے بموجب حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کی فتح کے موقع پر اس جگہ ایک مسجد تعمیر کی تھی (ابن البطریق: التاریخ المجموعۃ علی التحقیق والتصدیق، ص، ۲/۱) یہ قبہ ایک چٹان (صخرہ) پر بنایا گیا ہے اور اس کی پیروی میں بعد میں ایسے متعدد قبے دار عمارتیں حدود حرم میں تعمیر کی گئیں۔

"جب حضرت عمرؓ نے بیت المقدس فتح کیا (اور حرم قدسی کی زیارت کی) تو بیت المقدس

کے پادری Sophronius (صفرونیوس) سے کہا کہ میں یہاں مسلمانوں کے لئے ایک مسجد بنانا چاہتا ہوں۔ پادری انھیں صخرہ کے پاس لے آیا۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ یہ جگہ بری طرح نجاست سے اٹی پڑی ہے۔ چنانچہ وہ خود نجاست اور کوڑا کرکٹ صاف کرنے لگے ان کے رفقاء اور فوج کے سپہ سالار بھی صفائی میں شریک ہوگئے۔ یہاں تک کہ چٹان عیاں ہوگئی۔ حضرت عمرؓ نے چٹان کو خوب صاف کیا اور اسی جگہ مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔

"القلقشندی کا بیان ہے: بادشاہ قسطنطین (Constantine) کی والدہ ملکہ ہیلانہ نے یہودیوں کی عداوت میں اس عمارت کو مسمار کردیا جو صخرہ پر قائم تھی اور اس جگہ کو شہر کا کوڑا کرکٹ پھینکنے کے لئے مخصوص کردیا۔ جب امیر المومنین حضرت عمرؓ بن الخطاب نے بیت المقدس کو فتح کیا تو اس وقت یہ جگہ اسی حالت میں تھی (۳۳۵ء تا ۶۳۶ء تین سو برس کا تو بہت زیادہ کوڑا کرکٹ رہا ہوگا) چنانچہ حضرت عمرؓ کو صخرہ کی جگہ نشاندہی کی گئی۔ انھوں نے اسے صاف کیا اور وہاں ایک مسجد تعمیر کی (صبح الاعشیٰ ۴: ۱۰۱) اس بات کی تائید البکری نے 'فضائل القدس' میں اور جمال الدین احمد نے 'مثیر الغرام' میں کی ہے۔ R. Hartmann نے لکھا ہے: 'عمرؓ نے یہ مسجد صخرہ کی مغربی سمت یا جنوب مغربی سمت میں بنائی' (مجلہ (Dent Schen Polastina) صد ۱۹۵) اس جگہ مسجد عمر واقع ہونے کا ذکر سب سے پہلے بوزنطی مورخ تھیوفانسوس (Theophanes یا Theophansos) نے کیا ہے۔"

(Palestine under the Moslems: Le strange)

امام احمد کی روایت عن عبید بن آدم میں بیت المقدس کے متعلق یہ صراحت ہے کہ "جب امیر المومنین حضرت عمرؓ بیت المقدس پہنچے تب کعب سے پوچھا کہ مجھے نماز کہاں پڑھنی چاہئے؟ اس نے کہا صخرہ کے پیچھے۔ امیر المومنین نے کہا۔ نہیں میں وہاں پڑھوں گا جہاں نبیؐ نے پڑھی تھی"۔ (مجمو ... یز جلد دوم صد ۱۴۰ تا صد ۱۴۶)

سر ولیم میور (Sir William Muir) (ایڈیشن دوم ۱۹۹۱ء) اپنی

تاریخ خلافت میں لکھتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ نے وہ جگہ دیکھنے کی خواہش کی جہاں حضرت سلیمانؑ نے ہیکل تعمیر کیا تھا۔ اس کا معائنہ کرنے کے بعد انھوں نے سنٹ میری چرچ کے قریب اپنی نماز ادا کی جو مسجدِ اقصیٰ کی جگہ کھڑا تھا! انھوں نے قسطنطین کے گرجے یا دوسرے گرجوں میں بھی ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لاہور جلد ۱۶(۱) کا ایک اور بیان (ص ۲۹۶ وغیرہ) ملاحظہ ہو: "۶۳۶ء میں جنگِ یرموک کی فتح پر عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ (امیر المومنین) کو عیسائیوں سے معاہدہ کرنے کے لئے بلا بھیجا۔ وہ آئے اور صلحنامہ لکھوا دینے کے بعد بیت المقدس سے روانگی کے وقت صخرہ اور براق باندھنے کی جگہ کے قریب (آنحضرتؐ کی معراج کے موقعہ پر) جہاں انھوں نے اپنے ہمراہیوں سمیت نماز ادا کی تھی، ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ یہی مسجد بعد میں "المسجد الاقصیٰ" کہلائی۔

"حضرت عمرؓ نے عیسائیوں کے لئے بے روک ٹوک ان کے گرجاؤں کا استعمال کرنے کی اجازت دیدی تھی اور صرف معبد (یعنی ہیکل) کا رقبہ مسلمانوں کی عبادت کے لئے مخصوص کیا تھا۔ لیکن ۱۰۹۶ء میں یورپ کی متحدہ افواج نے جب قبضہ کیا تو صلیبیوں نے مساجد پر قبضہ کر کے انھیں گرجا بنا دیا۔ "قبۃ الصخرہ" (جسے وہ ناقص معلومات رکھنے کی وجہ سے 'Templum Domini' "ہیکل السید" کہتے تھے) ویسے کا ویسا رہا۔ پھر بھی گنبد کی چوٹی پر سونے کی ایک صلیب لگادی گئی "صخرہ" (جو ابھی تک بیچ سے کھلا ہوا تھا) سنگِ مرمر کی سلوں سے ڈھانپ دیا گیا۔ اور اس کے اوپر ایک قربان گاہ تعمیر کی گئی۔

"سلطان صلاح الدین نے جب فتح حاصل کی تو تبدیلیاں آئیں۔ اور انھوں نے اقصیٰ کے جنوب مغربی حصہ میں "فرسان الہیکل" (Templar Knights) کا جو مخزن تھا اسے بدل کر اس کا نام "مسجد النساء" رکھدیا۔ "جانبازان یوحنا دینی" (Israelites) کے وسیع اقامت خانہ کو مسجدِ عمرؓ کے لئے بطور وقف دیدیا گیا اور وہاں کے گرجا کو بدل کر "مارستان" یا "بیمارستان" کے نام سے شفاخانہ بنا دیا گیا"۔

بنی اسرائیل، یہود، یہودی اور عبرانی

'بنی اسرائیل' (Israelites) ابراہیمؑ کا ایک بیٹا اسمٰعیلؑ تھا دوسرا اسحاقؑ اسحاق کے بیٹے کا نام یعقوب تھا جنھیں 'اسرائیل' بھی کہا جاتا تھا۔ اسی لئے ان کی نسل والوں کو 'بنی اسرائیل' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کی آبائی جائداد کنعان (فلسطین) کے علاقہ میں تھی۔ آج کل صرف 'اسرائیل' بھی انہی 'بنی اسرائیل' کو کہا جانے لگا۔

'یہود' و 'یہودی' (Jew)

کنسائز ڈکشنری میں ہے کہ 'Jew' ۔ 'Judaea' ' سے ہے جسے نام ملا 'Judah' (یہوداہ) سے جو ایک قبیلہ کا نام تھا جسے اردن ندی کے مغرب میں پہلی سب سے بڑی قطعۂ زمین ملی تھی۔ 'عبرانی' یا 'اسرائیل' کو بھی کہتے ہیں۔

بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلوں میں سے 'یہوداہ' ایک قبیلہ کا نام تھا جسے بحرِ مردار کے مغرب کا علاقہ ملا تھا۔ پھر جب دس قبیلوں کی ایک شمالی کی ریاست 'سلطنت اسرائیل' بنی تو اس کا دارالخلافہ سامریہ تھا۔ اور جنوب کی ریاست 'سلطنتِ یہوداہ' بنی جس کا دارالخلافہ یروشلم ہوا۔ دس قبیلے پہلے غائب ہو گئے اور آخر تک یہی جنوب کی ریاست والے 'یہوداہ' پھیلے۔ اس لئے بھی یہی نام سامنے رہ گیا۔

مصباح اللغات میں ھَادَ ۔ یَھُوْدُ ۔ ھَوْدًا کے معنی دیا ہے 'توبہ کرنا'، 'حق کی طرف پلٹنا' کہا جاتا ہے "ھَادَ الْمُذْنِبُ اِلَی اللّٰہ" ۔ گنہگار نے توبہ کی۔

لغات القرآن (جلد ششم) میں مولانا سید عبدالدائم الجلال صاحب نے لکھا ہے ھَادُوْا = یہودی ہوئے۔ مراد یہودی ہیں بچھڑے کی پوجا سے انھوں نے توبہ کی تھی اس لئے 'یہود' کہلائے (صاوی ومعالم) پشیمان ہونا۔ حق کی طرف لوٹنا۔ 'ھَائِدٌ' = توبہ کرنے والا حق کی طرف لوٹنے والا۔ 'ھُوْدٌ' اس کی جمع ہے۔

عبرانی (Hebrew)

کنسائز ڈکشنری کے الفاظ ہیں کہ "اس سے مراد ایک شخص ہے جو وادی فرات سے باہر کا رہنے والا ہو۔ یعقوبؑ کی نسل والوں میں سے ایک۔ ایک اسرائیلی۔ ایک یہودی یہودیوں کی زبان (ایک سامی زبان)

بائبل کے عہدِ عتیق کے باب پیدائش سے ہمیں سراغ ملتا ہے کہ طوفان کے بعد سام بن نوح کے ۵ بیٹوں میں سے ۲ بیٹوں ارفخشد اور لود سے عرب آباد تھا (۳ سے دجلہ و فرات کی وادی اور ایران کا مغربی جنوبی علاقہ آباد ہوا تھا) ارفخشد کے سلح اور سلح سے عیبر پیدا ہوئے۔ عیبر کے دو بیٹے تھے۔ جن میں سے ایک یقطان (قحطان)۔ یقطان (قحطان) سے حضرموت وغیرہ ہوئے۔ اسی عیبر کے خاندان سے ابراہیمؑ بھی تھے اور سام بن نوح کو (پیدائش ۱۰: ۲۱) بنی عیبر کا باپ (the father of all the children of Eber.) کہا گیا ہے۔

آج عام طور سے 'یہود' سے مراد 'اسرائیل' اور 'اسرائیل' سے مراد 'یہود' 'یہودی' لیا جارہا ہے! بات صاف نہیں ہوتی۔

محمد احمد باشمیل نے رسول کریمؐ کی جنگوں کے متعلق ایک کتاب تالیف کی ہے اس میں 'غزوہ بنی قریظہ' کے تحت 'یہود کا نسب نامہ' اس طرح بیان فرمایا ہے:

" اسرائیلی یہودیوں کا نسب یعقوبؑ کی طرف جاتا ہے جن کا لقب 'اسرائیل' تھا اور کلمۂ 'یہود' کا اشتقاق قولِ موسیٰؑ میں ملتا ہے۔ اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ یعنی رَجَعْنَا وَتُبْنَا' کل یہودی اسرائیلی نہیں ہیں۔ اس لئے کہ یہودیوں میں عرب و روم وغیرہ کے بہت سے دوسرے اجناس جو بنی اسرائیل میں سے نہ تھے داخل ہو گئے تھے جیسے بہت سے اسرائیلیوں کا دین یہودیت کے بجائے اسلام و مسیحیت ہو گیا تھا۔ اس لئے سب یہودی اسرائیلی نہیں ہیں۔ اور نہ سب اسرائیلی یہودی ہیں۔

آج دنیا نے حضرت موسیٰؑ کی طرف 'یہودیت' کو اور حضرت عیسیٰؑ کی طرف 'مسیحیت' کو منسوب کر رکھا ہے۔ یہودیت اور عیسائیت دونوں بعد کی پیداوار ہیں۔ 'یہودیت' اپنے اس نام اور اپنی مذہبی خصوصیات اور رسوم و قواعد کے ساتھ تیسری چوتھی صدی قبل مسیح میں پیدا ہوئی۔ اور 'عیسائیت' جن عقائد اور مخصوص مذہبی تصورات کے مجموعے کا نام ہے وہ تو حضرت مسیحؑ کے بھی ایک مدت بعد وجود میں آئے ہیں۔ ظاہر ہے 'یہودیت' اور 'نصرانیت' دونوں اس راہِ راست سے منحرف ہو گئی ہیں جس پر حضرت ابراہیمؑ چلتے تھے۔ کیونکہ ان دونوں میں شرک کی آمیزش ہو گئی ہے۔ بنی اسرائیل میں جب پستی و تنزلی کا دور آیا تو پہلے 'یہودیت' پیدا ہوئی پھر 'عیسائیت' نے جنم لیا۔ (تفہیم اول)

'خدا کا گھر'، 'قربان گاہ' (مذبح) اور 'طواف'

سیرت النبیؐ (حصہ پنجم) صد ۲۳۶ تا صد ۲۴۷ میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا دستور تھا کہ جہاں کہیں ان کو روحانیت کا کوئی جلوہ نظر آتا وہیں خدا کے نام سے ایک پتھر کھڑا کر کے خدا کا گھر اور قربان گاہ بنا لیتے تھے۔ چنانچہ توراۃ (پیدائش) میں ان کی ۳ قربان گاہوں یا 'خدا کا گھر' بنانے کے واقعات مذکور ہیں۔ مثلاً "اور ابراہیم اس ملک میں سے گذرتا ہوا مقام سکم میں مورہ کے بلوط تک پہونچا اس وقت ملک میں کنعانی رہتے تھے۔ تب خداوند نے ابرام کو دکھائی دے کر کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دوں گا۔ اور اس نے وہاں خداوند کے لئے جو اسے دکھائی دیا تھا ایک قربان گاہ بنائی۔" "اور وہاں سے کوچ کر کے اس پہاڑ کی طرف گیا جو بیت ایل کے مشرق میں ہے اور اپنا ڈیرہ ایسے لگایا کہ بیت ایل مغرب میں اور عی مشرق میں پڑا۔ اور وہاں اس نے خداوند کے لئے ایک قربان گاہ بنائی اور خدا سے دعا کی۔"
(پیدائش ۱۲: ۵-۷)

"اور ابرام نے اپنا ڈیرا اٹھایا اور ممرے کے بلوطوں میں جو حبرون میں ہیں جا کر رہنے لگا اور وہاں خداوند کے لئے ایک قربان گاہ بنائی"۔ (پیدائش ۱۳: ۱۸)

اسی قسم کی قربان گاہیں اور خدا کے گھر، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت موسیٰؑ نے بھی بنائے۔ اور آخر میں حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ نے بیت المقدس کی تعمیر کی۔ جو بنی اسرائیل کا کعبہ و قبلہ قرار پایا۔

حضرت اسحاقؑ کے لئے آیا ہے کہ جہاں ان پر وحی اور وعدہ کی بشارت نازل ہوئی۔ "اور اس نے وہاں مذبح بنایا اور خداوند کا نام لیا۔ اور وہاں اپنا خیمہ کھڑا کیا۔" (پیدائش ۲۶:۲۵)

حضرت یعقوبؑ کو جہاں مقدس رویا ہوئی ـ "اور یعقوب صبح سویرے اٹھا۔ اور اس پتھر کو جسے اس نے اپنا تکیہ کیا تھا، کھڑا کیا اور اس کے سر پر تیل ڈالا اور اس مقام کا نام 'بیت ایل' رکھا۔ اور یہ پتھر جو میں نے ستون کھڑا کیا خدا کا گھر ہوگا۔ اور سب میں سے جو تو مجھے دے گا۔ دسواں حصہ (عشر) تجھے (خدا کو) دونگا۔" (پیدائش ۲۸: ۱۸-۲۲)
"اور اس نے وہاں مذبح بنایا اور اس مقام کا نام 'بیت ایل' رکھا" (پیدائش ۳۵: ۱۵)

حضرت موسیٰؑ نے خدا کے حکم کے بموجب ـ "اور پہاڑ کے تلے ایک قربان گاہ اور بنی اسرائیل کے ۱۲ فرقوں کے لئے ۱۲ استون بنائے۔ اور سلامتی کے ذبیح بیلوں سے خداوند کے لئے ذبح کئے" (خروج ۲۴: ۴-۶)

اوپر کے اقتباسات میں اس قسم کی تعمیر یا مکان کا ایک نام 'مذبح' یا قربان گاہ بتایا گیا ہے۔ اور دوسرا 'بیت ایل' (یعنی بیت اللہ) اور 'خدا کا گھر' ـ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی نسل میں اس قسم کی قربان گاہ اور بیت اللہ بنانے کا دستور تھا۔ اسی قسم کا وہ گھر ہے جو مکہ میں کعبہ، مسجد حرام کے نام سے آج تک قائم ہے۔ اور وہی دنیا میں خدا کا پہلا گھر ہے!

سیرت النبیؐ حصہ پنجم ص۲۵۳ پر 'طواف' کے متعلق درج ہے: "قدیم رسم یہ تھی کہ جس کو نذر یا قربانی کرتے تھے اس کو قربان گاہ کے چاروں طرف پھراتے تھے۔ یا نثار کرتے تھے۔ حج میں یہی 'طواف' کہلاتا ہے۔"

ص۲۶۶ پر درج ہے کہ "یہ اس رسم کو ادا کرنا ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں نذر یا

قربانی کو قربان گاہ کے چاروں طرف پھرا کر ادا کی جاتی تھی۔ چونکہ حاجی اپنے آپ کو قربان گاہ پر چڑھاتا ہے ۔۔۔ اس لئے وہ اس کے چاروں طرف پھرتا ہے۔ اور اس گردش کی حالت میں وہ اپنی مغفرت کی دعائیں مانگتا ہے۔ "طواف" حقیقت میں ایک قسم کی ابراہیمی نماز ہے جو اس پرانے عہد کی یادگار ہے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "خانۂ کعبہ کا طواف بھی گویا نماز ہے۔"

سوچنے کا دوسرا انداز

ہم اس طرح کیوں سوچیں کہ بنی اسرائیل فلسطین میں کئی بار خفیہ اور چپکے سے داخل ہو گئے اور اصل باشندوں کو قتل کر کے ان کی زمین پر قبضہ کر لیا۔ قدیم باشندے دوسرے تھے، ملکی و غیر ملکی اور قومیت کی بیماری میں ہم کیوں مبتلا ہوں؟ اقتدار اور ملک گیری کی ہوس، غلط سیاسی اغراض اور خواہ مخواہ کی رقابت وہٹ دھرمی، طاقتور ممالک کی غلط سرپرستی نے تو شروع ہی سے قتل و غارتگری ساری دنیا میں پھیلا رکھی ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں! آج بھی "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" والا قانون تمدن کی دنیا میں بھی رائج ہے! انجادتیں، باہمی جنگیں، جلاوطنی، امتناع داخلہ، قلعوں کو اڑا دینا، آثار کو مسمار کر دینا، قابل احترام شعائر کے ساتھ ناروا سلوک آج بھی جاری ہے!

اور ایسا بھی تو ہوا کہ حضرت عمرؓ نے عیسائیوں کو رعائتیں دیں؟ سولہویں صدی عیسوی میں سلطان سلیم عثمانی نے خود سے دیوار گریہ کے کوڑا کرکٹ کو صاف کروا کے یہودیوں کو اس کی زیارت کی اجازت دے دی؟

مسئلہ کی نزاکت پر متوجہ ہو کر سوچئے کہ انسان کی اخلاقی اصلاح کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا سلسلہ شروع کیا تھا اور ماشاء اللہ ختم نبوت تک اس کام کو بھی مکمل کر دیا۔ احکام الٰہی کے مجموعہ (قرآن کریم) کے ساتھ ساتھ اسوۂ حسنہ بھی رہتی دنیا تک کے لئے محفوظ و موجود ہے۔ اللہ کا یہ انتظام سارے انسانوں کی بہبودی کے لئے ہوا۔ اللہ کے نزدیک

سارے انسانوں کے لئے ایک ہی ضابطۂ حیات قابل قبول رہا ہے اور وہ ہے 'اسلام'! دنیا میں جتنے انبیاء مبعوث ہوئے وہ 'اسلام' ہی کی دعوت دیتے رہے خواہ وہ نوحؑ رہے ہوں یا ابراہیمؑ، یعقوبؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، اسمٰعیلؑ یا محمدؐ؟ یہ اسکیم اللہ کی تھی! اِس مسئلہ کے حل کے لئے ہمیں معتبر اور مستند ذرائع سے جو رہنمائی ملتی ہو اس پر عمل کر کے نتیجہ دیکھنا چاہیے۔

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِىٓ إِبْرَٰهِيمَ وَمَآ أُنزِلَتِ ٱلتَّوْرَىٰةُ وَٱلْإِنجِيلُ إِلَّا مِنۢ بَعْدِهِۦٓ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ حَٰجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ مَا كَانَ إِبْرَٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّ أَوْلَى ٱلنَّاسِ بِإِبْرَٰهِيمَ لَلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا ٱلنَّبِىُّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ۗ وَٱللَّهُ وَلِىُّ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۝ (آل عمران۔ ۶۵۔ ۶۸)

(اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں ہم سے کیوں جھگڑا کرتے ہو؟ توراۃ و انجیل تو ابراہیم کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں۔ پھر کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے؟ اب ان معاملات میں کیوں بحث کرنے چلے ہو جن کا تمہارے پاس کچھ بھی علم نہیں۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ یہودی تھا نہ عیسائی، بلکہ وہ تو ایک مسلم یکسو تھا، اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔ ابراہیم سے نسبت رکھنے کا سب سے زیادہ حق اگر کسی کو پہنچتا ہے تو ان لوگوں کو پہنچتا ہے جنھوں نے اس کی پیروی کی اور اب یہ نبی اور اس کے ماننے والے اس نسبت کے زیادہ حقدار ہیں۔ اللہ صرف انہی کا حامی و مددگار ہے جو ایمان رکھتے ہوں۔)

سورۃ الانعام میں اللہ نے رسول کریمؐ کو ہدایت کی ہے کہ "اے محمدؐ کہو میرے رب

نے بالیقین مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے۔ بالکل ٹھیک دین جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں، 'ابراہیم کا طریقہ'"۔ حدیث بھی ہے کہ "کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت کے سوا کسی اور چیز پر پیدا ہوتا ہو۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں"۔ (بخاری و مسلم) دوسری حدیث اور ہے کہ "میرا رب فرماتا ہے کہ میں نے اپنے تمام بندوں کو حنیف (صحیح) الفطرت پیدا کیا تھا۔ پھر شیاطین نے آکر ان کو ان کے دین (ان کے فطری دین) سے گمراہ کر دیا۔

حضرت ابراہیمؑ کا اصلی کام دنیا کو اللہ کی اطاعت کی طرف بلانا اور نظام زندگی کو اللہ کی ہدایت کے مطابق درست کرنا تھا۔ ان کے بعد امامت کا منصب پہلے ان کی نسل کی بنی اسرائیل شاخ کو ملا۔ "یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ" (المائدہ) (اے برادران قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے) اس سے مراد فلسطین کی سرزمین ہے جو حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ کا مسکن رہ چکی تھی۔ بنی اسرائیل جب مصر سے نکل آئے تو اسی سرزمین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے نامزد فرمایا۔ بیت المقدس (ہیکل) حضرت سلیمانؑ کے ہاتھوں تعمیر ہوا۔ انھیں کے زمانہ میں قبلہ قرار پایا۔ اور جب تک یہ شاخ امامت کے منصب پر قائم رہی، بیت المقدس ہی دعوت الی اللہ کا مرکز اور خدا پرستوں کا قبلہ رہا۔ لیکن ان کے اعمال کی پاداش میں ان کے خاندان سے نبوت کی لائن بدل دی گئی۔ اسی یروشلم کے سامنے شمال مشرقی پہاڑ زیتون پر چڑھ کر رات بھر عیسیٰؑ نے آہ وزاری کا ریکارڈ توڑ دیا اور بد دعا کی۔ اللہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ (سورہ البقرہ میں تفصیلات ہیں)

تم ہماری اس نعمت کی انتہائی ناقدری کر چکے جو ہم نے تمہیں دی تھی۔ اس امامت کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو ابراہیم کے طریقے پر خود چلیں اور دنیا کو اس طریقے پر چلانے کی خدمت انجام دیں۔ چونکہ تم اس طریقے سے ہٹ گئے ہو اور اس خدمت کی اہلیت پوری طرح کھو چکے۔ لہٰذا تمہیں امامت کے منصب سے معزول کیا جاتا ہے۔ اب ہم نے ابراہیمؑ

کی دوسری شاخ بنی اسمٰعیل میں وہ رسول پیدا کیا ہے جس کے لئے ابراہیم اور اسمٰعیل نے دعا کی تھی۔ اس کا طریقہ وہی ہے جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور دوسرے تمام انبیاء کا تھا۔ لہٰذا اب امامت کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو اس رسول کی پیروی کریں۔

تحویل قبلہ اور نبی القبلتینؑ

تبدیلِ امامت کا اعلان ہونے کے ساتھ ہی قدرتی طور پر تحویل قبلہ کا اعلان ہونا بھی ضروری تھا۔ جب تک بنی اسرائیل کی امامت کا دور تھا بیت المقدس مرکز دعوت رہا اور وہی قبلۂ اہل حق رہا۔ خود نبی کریمؐ اور آپؐ کے پیرو بھی اس وقت تک بیت المقدس ہی کو قبلہ بنائے رہے۔ مگر جب بنی اسرائیل اس منصب سے باضابطہ معزول کر دیئے گئے تو بیت المقدس کی مرکزیت آپ سے آپ ختم ہو گئی۔ لہٰذا اعلان کیا گیا کہ اب وہ مقام دینِ الٰہی کا مرکز ہے جہاں سے اس رسول کی دعوت کا ظہور ہوا ہے۔ اور چونکہ ابتداء میں ابراہیمؑ کی دعوت کا مرکز بھی یہی مقام تھا اس لئے اہل کتاب اور مشرکین کسی کے لئے بھی یہ تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے کہ قبلہ ہونے کا زیادہ حق کعبے ہی کو پہونچتا ہے۔

سیرۃ النبیؐ حصہ سوم (ص۵۴، ۵۵) کا انداز ملاحظہ ہو: "حضرت ابراہیمؑ کے گھرانے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی سعادتوں اور برکتوں کا کلید بردار بنایا تھا، اور ان کو ارض مقدس کی تولیت کا منصب عطا کیا تھا جس کے حدود خدا نے خواب میں حضرت ابراہیمؑ کو دکھائے تھے۔ لیکن اسی کے ساتھ توراۃ میں بار بار اعلان کر کے یہ بھی ان کو سنا دیا گیا تھا کہ اگر انھوں نے خدا کے احکام کی اطاعت اور پیغمبروں کی تصدیق نہ کی تو یہ منصب ان سے چھین لیا جائے گا۔

"حضرت ابراہیمؑ کو اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ دو بیٹے عطا ہوئے۔ اور ارضِ مقدس کو ان دونوں بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا۔ یعنی شام کا ملک حضرت اسحٰقؑ کو اور عرب کا ملک حضرت اسمٰعیلؑ کو۔ شام میں بیت المقدس اور عرب میں کعبہ واقع تھا۔ حضرت اسحٰقؑ کے فرزندوں

(بنی اسرائیل) کو بیت المقدس کی تولیت عطا ہوئی تھی اور بنو اسمٰعیل کو کعبہ کا متولی بنایا گیا تھا۔

"حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں جس قدر پیغمبر پیدا ہوئے ان میں سے بنو اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس تھا اور اسمٰعیلؑ کا کعبہ تھا۔ گویا آنحضرتؐ سے پہلے جس قدر انبیاءؑ عرب یا شام میں مبعوث ہوئے وہ ان دونوں قبلوں میں سے صرف ایک کے متولی تھے مگر آنحضرتؐ کو پھر دونوں قبلوں کی تولیت تفویض ہوئی اور 'نبی القبلتین' کا منصب عطا ہوا یہی نکتہ تھا جس کے سبب سے آنحضرتؐ کو کعبہ اور بیت المقدس دونوں طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور اسی لئے معراج میں آپؐ کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لیجایا گیا اور مسجدِ اقصیٰ میں تمام انبیاءؑ کی صف میں آپؐ کو امامت پر مامور کیا گیا۔ تاکہ آج اس مقدس دربار میں اس کا اعلان عام ہو جائے کہ دونوں قبلوں کی تولیت سرکارِ محمدیؐ کو عطا ہوتی ہے اور وہ 'نبی القبلتین' نامزد ہوتے ہیں۔"

رحمۃ للعالمین جلد اول کا انداز بھی ملاحظہ ہو: جب تک نبیؐ مکہ میں رہے اس وقت تک بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ رہا کیونکہ مشرکین مکہ بیت المقدس کے احترام کے قائل نہ تھے اور کعبہ کو تو انھوں نے خود ہی اپنا بڑا معبد بنا رکھا تھا اس لئے شرک چھوڑ دینے اور اسلام قبول کرنے کی بین علامت مکہ میں یہی رہی کہ مسلمان ہونے والا بیت المقدس کی طرف منھ کر کے نماز پڑھے۔ جب نبیؐ مدینہ پہونچے وہاں زیادہ تر یہودی یا عیسائی ہی آباد تھے۔ وہ مکہ کی المسجد الحرام کی عظمت کے قائل نہ تھے۔ اور بیت المقدس کو تو وہ (بیت ایل، یا ہیکل) تسلیم کرتے ہی تھے۔ اس لئے مدینہ میں اسلام قبول کرنے اور آبائی مذہب چھوڑ دینے کی علامت یہ ٹھہرائی گئی کہ مکہ کی مسجدِ حرام کی طرف منھ کر کے نماز پڑھی جائے! چنانچہ ہجرت کے دوسرے سال (یا، ۱ ماہ بعد) خدا نے تحویل قبلہ کے بارے میں حکم نازل فرمایا۔ حکم الہٰی کے مطابق یہی مسجد ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کا قبلہ قرار دی گئی۔ چونکہ اسے تقدیمِ زمانی اور عظمتِ تاریخی حاصل ہے اس لئے اس کو قبلہ بنایا جانا مناسب ہے۔

سیرت النبیؐ جلد پنجم ص ۲۶۷ پر درج ہے کہ "حجر اسود کعبہ کے اس گوشہ کی دیوار میں لگا ہے جس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوں تو بیت المقدس سامنے پڑے گا۔ اور اسی لئے حجر اسود کے مقابل گوشہ کا نام رُکن شامی ہے۔ اس گوشہ کی تخصیص سے بیت المقدس کی سمت کا اشارہ مضمر ہے۔" (دیکھئے نقشہ قبلہ نما)

متذکرہ بالا باتوں سے یہی رہنمائی ملتی ہے کہ آج دنیا کے سارے مسلمان اور مسلم ممالک اپنا احتسابی جائزہ لیں۔ خدا کے احکام کی پوری اطاعت کریں۔ اسوۂ حسنہ کی صحیح پیروی کریں۔ توبہ و استغفار و انابت کے ذریعہ اپنی پوری اصلاح کر کے اپنے اندر تولیت سنبھالنے کی پوری اہلیت پیدا کرلیں۔ انشاء اللہ پھر وہ دن دور نہیں کہ انھیں اللہ کی نصرت نہ ملے ایہی اصل کام ہے دوسری طرف انھیں ایثار و قربانی کے ساتھ اپنے موجودہ انتشار اور سارے اختلافات کو دور کر کے فوری طور پر متحد ہوجانا چاہئے۔ پھر انھیں چاہئے کہ جوڑ کر اپنی مشترک اسکیم بنائیں۔ حتیٰ الوسع اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی تدبیر کریں اور اللہ ہی پر پورا توکل کریں۔ تب ہی صحیح نتائج کے حصول کی توقع کی جاسکتی ہے۔

(ختم شد)

معلومات متعلقہ فارم ۴

رسالہ تحقیقات اسلامی علی گڑھ
۱۔ مقام اشاعت : علی گڑھ
۲۔ وقفہ اشاعت : سہ ماہی
۳۔ نام پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر: سید جلال الدین عمری
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ

۴۔ نام اور پتہ مالک رسالہ: ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ
میں سید جلال الدین عمری تصدیق کرتا ہوں کہ جو تفصیلات اوپر دی گئی ہیں میرے علم و یقین کے مطابق صحیح ہیں۔
دستخط : سید جلال الدین عمری
۳۱ر دسمبر ۸۲ء